سفر نامۂ پاکستان
اسلامی نظامِ حکومت
(۱۰)

سعید احمد اکبرآبادی

ابھی میں مغرب کی نماز سے فارغ ہوا ہی تھا کہ یہ چاروں طلبا پہونچ گئے، میں نے انکو تاکید کی تھی کہ فقط یہ چاروں ہی آئیں، کسی اور کو نہ لائیں، کیونکہ میں گلہ "کا تماشا" بنانا پسند نہیں کرتا۔ اور دوسری تاکید یہ کی تھی کہ ٹیپ رکارڈنگ مشین ساتھ نہ لائیں، ورنہ میں بے تکلف ہوکر گفتگو نہ کرسکوں گا، انھوں نے ان دونوں باتوں پر عمل کیا، بڑے نیک اچھے، سمجھدار اور ہونہار لڑکے تھے، اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو، اپنی عادت کے مطابق دو، چار منٹ ہنسی مذاق کی باتیں کیں، پھر میں نے کہا:۔ اچھا تو فرمایئے۔ انھوں نے کہا:۔ آج کل پاکستان میں مسلمانوں کا عام مطالبہ ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت رائج اور نافذ ہونا چاہیئے، ہم آپ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ (۱) اسلامی نظامِ حکومت ہے کیا؟ اور اور اس کی تعریف کیا ہے؟ (۲) یہ نظام موجودہ زمانہ میں نافذ ہوسکتا ہے یا نہیں (۳) اگر ہوسکتا ہے تو کس طرح؟
میں نے کہا:۔ بہت بہتر! اچھا سنیئے!

اسلامی نظامِ حکومت وہی نظام ہے جو قرآن مجید، سنت اور تعاملِ صحابہ پر مبنی اور اس سے ماخوذ ہو، اس کا عملی نمونہ خلافتِ راشدہ کی شکل و صورت میں نظر آتا ہے اور خصوصاً حضرت ابوبکر و عمر کی پوری مدتِ خلافت اور عثمانی خلافت کے دورِ اول میں اس کا

کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ نظام دنیا کا اعلیٰ اور صالح ترین نظامِ حکومت ہے جو انسانی فلاح و بہبود کا ضامن اور متکفل ہوسکتا ہے۔ اس کو پاکستان کیا ساری دنیا میں نافذ ہونا چاہیئے اور وہ نافذ ہو بھی سکتا ہے اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔

لیکن سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلامی نظامِ حکومت کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے کہ آپ نے اوس کو گھما یا اور یہ نظام قائم ہوگیا، یا وہ کوئی طلسماتی دروازہ نہیں ہے کہ آپ نے کہا: کھل جا سمسم! اور وہ کھل گیا۔ بلکہ اسلام مسلمانوں کے عوام و خواص میں قلب و نظر میں تبدیلی۔ اور ایمانِ محکم و عملِ پیہم کا جو مطالبہ کرتا ہے جب تک وہ تبدیلی پیدا نہ ہو اسلامی نظام کو دستور کی حیثیت سے اپنے ملک کے لئے اختیار کر لینے کا اعلان کر دینا ہرگز مفیدِ مقصد نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس کا منفی اثر یہ ہوگا کہ اسلام بدنام ہوگا اور اوس سے بری نظیریں قائم ہوں گی۔ تاریخ میں کیا کچھ نہیں ہوا؟ خلافتِ راشدہ کے بعد ترکی میں الغائے خلافت تک خلافت قائم رہی لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان خلافتوں کا نظامِ حکومت خالص اسلامی نظامِ حکومت تھا ہرگز نہیں، یہ خاندانی موروثی اور شخصی حکومتیں تھیں۔ ہر خلیفہ اپنی ذاتی پسند ناپسند اور اپنے شخصی امیال و عواطف اور رجحانات کے مطابق کام کرتا تھا۔ ان میں کیرکٹر اور اخلاق کے اعتبار سے اچھے اور برے سب قسم کے لوگ تھے، کوئی برا شخص برسرِ اقتدار آ گیا تو اوس نے معاشرہ میں فساد پیدا کر دیا اور اگر کوئی اچھا شخص سریر آرائے خلافت و سلطنت بن گیا تو اوس نے معاشرہ میں سدھار پیدا کر دیا، بہرحال پوری تاریخ میں یہی نشیب و فراز اور اتار چڑھاؤ چلتا رہا۔ اسلام بذاتِ خود ایک آفتاب درخشاں تھا۔ لیکن ان خلفاء کے اعمال و افعال سے کبھی وہ گہن میں آگیا اور کبھی گہن کم ہوا تو کبھی اس کا ایک گوشہ اور کبھی اوس کا دوسرا گوشہ روشن ہوکر اپنی شعاعیں بکھیرنے لگا، لیکن پورا آفتاب گہن سے باہر کبھی نہ آسکا اور اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو ایک مختصر وقفہ کے لئے، اوس میں تسلسل پیدا نہ ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو آج دنیا کی تاریخ ہی کچھ اور ہوتی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس دور میں جو سیاسی فتوحات اور توسیعِ مملکت

ہوئیں تو چونکہ یہ سب فاتحین آخر مسلمان تو تھے ہی اس لئے اسلام کو اون سے فائدہ پہو
اور ان فتوحات کے باعث مسلمانوں نے علم و ثقافت اور تہذیب و تمدن کے میدانو
میں بھی ترقی کی اور اس سے وہ عظیم الشان تاریخ پیدا ہوئی جو ملت اسلامیہ کے لئے سرمایہ
و افتخار ہے۔ لیکن مجھے اس میں شبہ ہے کہ ان فاتحین میں کتنے ایسے تھے جن کی فوج کشی خالصۃً
لوجہ اللہ تھی اور ان میں کتنے ایسے تھے جنھوں نے اپنے خاندانی خصائص و روایات یا شخصی
حوصلہ مندی اور عالی ہمتی کے زیر اثر جنگ و پیکار کی مہم سر کی۔

میں یہاں یہ بات بھی واضح کر دوں کہ خالصۃً لوجہ اللہ سے میری مراد غیر مسلموں کو م
بنانا ہرگز نہیں ہے، کیونکہ دین میں جبر اور زبردستی ممنوع ہے، البتہ اسلام میں فوج کشی د
صورتوں میں جائز اور بعض مرتبہ ضروری ہے ایک اس وقت جب کہ کوئی مملکت اسلام او
مسلمانوں کے ساتھ سخت دشمنی (HoSTiLiTY) کے باعث اسلامی ملک پر حملہ کر
کی تیاری کر رہی ہو۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی ملک میں خلقِ خدا پر جور و ستم ہو
ہو۔ اور وہاں لوگوں کی عزت، اون کی جان و مال اور اون کی عورتوں کی عصمت محفوظ نہ ہو
تو چونکہ مسلمان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منصب پر فائز ہیں اور رحمۃ للعالمین کی ط
سے دنیا میں عدل اور انصاف قائم کرنے کے فریضہ پر مامور ہیں اس بنا پر ایک اسلام
مملکت کے لئے موقع اور محل اور اپنی بساط و استطاعت کے اعتبار سے یہ ضروری ہے کہ وہ مظ
کی امداد و اعانت اور اون کی دادرسی کے لئے ایک جابر و ظالم حکومت سے نبرد آزما ہو ا
جیسا کہ سندھ کی تاریخ چچ نامہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سندھ پر محمد بن قاسم کے حملہ ک
سبب یہی تھا کہ وہاں راجہ داہر نے لوگوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ سندھ میں ایک شخص
کو بھی جبراً مسلمان نہیں بنایا گیا۔ اور نہ ہندوؤں کے معابد اور اون کے پجاریوں کو نقصا
پہونچایا گیا۔ اگر اسی عدل و انصاف اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے باعث وہاں اسلام
خود بخود پھیلا اور سرسبز و شاداب ہوا تو اس میں محمد بن قاسم کی تلوار کا کیا قصور

اس تلوار کا کام تو صرف خلق خدا کو امن اور عافیت سے زندگی بسر کرنے کے قابل بنانا تھا اور بس! چنانچہ فتوح البلدان بلاذری میں "باب فتوح السند" کے ماتحت لکھا ہے کہ یہاں چار برس تک حکومت کرنے کے بعد جب محمد بن قاسم کو دارالخلافت واپس بلا یا گیا اور وہ یہاں سے رخصت ہونے لگا ہے تو گھر گھر میں اس کا ماتم بپا تھا اور مندروں کے پجاریوں اور پنڈتوں نے بھی اس کا ماتم کیا اور اس کے مجسمے (تمثال) بنا بنا کے اپنے گھروں میں رکھے، لوگوں نے پوچھا تم ایسا کیوں کرتے ہو اس شخص نے تو تمہارا ملک فتح کیا اور اس پر قبضہ جمایا تھا۔ انھوں نے جواب دیا: ۔ہم ایسا کیوں نہ کریں، ہم راجہ کی حکومت میں مظلوم اور ستم رسیدہ تھے ٹیکسوں کی بھرمار نے ہمارا جینا دشوار کر دیا تھا۔ ہماری عزت اور ناموس کوئی چیز محفوظ نہ تھی اس شخص نے آکر ہم کو سکھ دیا، امن اور چین دیا اور ہمارے مذہب میں کوئی مداخلت نہیں کی اس لئے یہ شخص ہمارا سب سے بڑا امرپی اور محسن ہے، کتاب اس وقت میرے سامنے نہیں ہے اور اس کو پڑھے ہوئے بھی عرصۂ دراز ہو گیا اسلئے ٹھیک الفاظ کیا ہیں؟ وہ تو یاد نہیں مگر مطلب قریب قریب یہی ہے۔

بہرحال خالصتہً لوجہ اللہ فوج کشی کی یہی دو صورتیں ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور تیسری صورت نہیں ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمان فاتحین میں کتنے لوگ تھے جن کا عمل اس جذبہ کے ماتحت تھا اور کتنے ایسے تھے جن کا مقصد ملک گیری اور توسیع مملکت تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ انفرادی طور پر بعض نیکدل سلاطین اور مجاہدین اسلام نے کوششیں کیں جو کبھی کامیاب ہوئیں اور کبھی ناکامیاب، لیکن مجموعی طور پر اسلامی نظام حکومت قائم نہ ہو سکا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کسی خاص نظام کی حکومت قائم کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ملک اور قوم کے افراد و اشخاص کو تعلیم و تربیت کے ذریعہ اس نظام کو مکمل طور پر اپنانے اور اس کو برتنے کا اہل بنایا جائے۔ مثال کے طور پر یہ دیکھئے کہ آج ایشیا کے نوزائیدہ ملکوں میں دستوری طور پر جہاں جمہوری نظام حکومت قائم ہے ان ملکوں کے عوام جمہوریت

عطا کردہ حقوق سے تو واقف ہیں۔ لیکن اون فرائض و واجبات پر یقین نہیں رکھتے جو جمہوریت اون پر عائد کر دیتی ہے، اس بنا پر عوام کے ہاتھ میں جمہوریت اوس ایک مغلوب الغضب اور احمق کی تلوار ہو کر رہ گئی ہے جس سے وہ خود اپنا گلا کاٹ رہا ہے۔ اور ملک میں انتشار کا باعث ہو رہا ہے۔

غور کیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وظائفِ حیات اور کارناموں کی انجام دہی کی راہ میں بجلی اور ہوا کی رفتار سے قطع مسافت کی ہے، یعنی آپ نے اپنی مدنی زندگی کے دس برس میں دنیا کا وہ عظیم ترین انقلاب پیدا کر دیا جو اوس زمانہ کے مواصلات اور ذرائع آمد و رفت کے پیشِ نظر ایک صدی میں برپا ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ کب ہوا ؟ یہ اوس وقت ہوا جب کہ مکہ کے تیرہ برسوں میں ہر قسم کے آلام و شدائد برداشت کر کے تذکیہ نفس و تجلیۂ باطن کے ذریعہ آپ ایک ایسی قوم پیدا کر چکے تھے جن پر اقبال کا یہ شعر ہو بہو صادق آتا تھا۔

جلالِ کبریائی در قیامش جمالِ بندگی اندر سجودش

یہی وہ بادیہ نشین تھے جو صحرائے عرب سے اٹھے اور قیصر و کسریٰ کی دیرینہ حکومتوں کا تختہ الٹ کر اپنے خیموں یا مٹی اور پھوس کے بنے ہوئے اپنے گھروں میں واپس آ گئے، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ ملت اسلامیہ کے یہی وہ اولین معمار اور مقدس افراد و اشخاص تھے، جن کے سہارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی نظامِ حکومت (اسلامی ریاست) قائم فرمایا اور یہی وہ حضرات تھے جنھوں نے آپ کے بعد خلافتِ راشدہ کی عمارت کے لئے ستون کا کام کیا، لیکن جب یہ حضرات دنیا سے رخصت ہونے لگے یا اون میں چھپڑ پڑ گئی، کہ کوئی کہیں گیا اور کوئی کہیں اور مدینہ میں ان کی جمعیت یکجا نہ رہی تو ایسا محسوس ہوا گویا ایک عظیم الشان بلڈنگ میں جھٹکا آ گیا اور اوس کی ایک اینٹ کم ہو گئی، چنانچہ اس زمانہ کے بعد کی جو تاریخ ہے وہ اس کا ثبوت ہے حضرت علی کو چونکہ خود ان حالات سے سابقہ پڑا تھا، اس بنا پر آپ کو اس تبدیلی کا کامل احساس تھا۔ چنانچہ تاریخ ابن خلدون میں ہے، کسی نے آپ سے دریافت کیا: حضرت!

اس کی کیا وجہ ہے کہ شیخین (حضرت ابوبکر وعمر) کے زمانہ میں مسلمانوں میں اتنی پھوٹ نہیں تھی جتنی آپ کے زمانہ میں ہے. حضرت علی نے جواب دیا:- " وجہ یہ ہے کہ شیخین کے زمانہ میں مسلمان میرے جیسے تھے، اور میرے زمانہ کے مسلمان تمہارے جیسے ہیں" اسی نوع کا ایک مقولہ حضرت علی کا الکامل للمبرد میں ہے، آپ نے ایک مرتبہ خطبہ میں ارشاد فرمایا: تم لوگ کہتے ہو کہ علی کو سیاست نہیں آتی. اصل بات یہ ہے کہ تم میری اطاعت نہیں کرتے، جب جاڑوں کے موسم میں اہل شام سے جنگ کرنے کی تم کو دعوت دیتا ہوں تو تم کہتے ہو: افوہ! آج کل تو بہت سخت کڑاکے کی سردی پڑ رہی ہے. دانت سے دانت بج رہے ہیں (هذا اوان قر وصر) اگر گرمی کے دنوں میں کہتا ہوں تو تم یہ کہکر ٹال دیتے ہو کہ کس بلا کی گرمی ہے جھلجلاتی دھوپ پڑ رہی ہے (هذا اوان قیظٍ وحر) غرض کہ کوئی نہ کوئی بہانہ کرتے اور جنگ سے جی چراتے ہو، تو اے لوگو! تم تو میری اطاعت کرتے نہیں ہو اور کہتے یہ ہو کہ علی کو سیاست نہیں آتی. ہاں تم نے ٹھیک کہا جس کی اطاعت نہیں کی جاتی اوس کی نسبت کہا ہی جاتا ہے کہ اسے سیاست نہیں آتی، غور کیجئے حضرت علی کے ان الفاظ میں کس درجہ غصہ اور کتنا درد وکرب اور حسرت ہے، غصہ اس بات پر کہ میں خلیفہ ہوں اور پھر یہ لوگ میری اطاعت نہیں کرتے، جس کے باعث نظم ونسق پراگندہ ہو رہا ہے، اور درد وکرب اس بات پر کہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے تشریف لے گئے ہوئے پورے چالیس برس بھی نہیں ہوئے اور مسلمانوں کی حالت یہ ہو گئی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک قول بھی منسوب ہے. اگرچہ اس کی سند مشتبہ ہے لیکن تاریخی حقیقت کے اعتبار سے صحیح ہے، وہ یہ کہ میرے بعد خلافت تیس برس چلے گی اوس کے بعد شہنشاہیت کا دور دورہ ہو گا. چنانچہ ایسا ہی ہوا!

اسباب زوال امت پر بہت کچھ لکھا گیا اور کہا سنا گیا ہے، لیکن میرے نزدیک اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام اپنی فطرت میں دائم الحرکت (Dynamic) ہے وہ کسی ایک مقام پر ٹھہر نہیں سکتا اوس کے دل میں پوری انسانیت کا درد ہے، اس لئے اوس کا فرض ہے کہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنا پیغام صحت وعافیت پہونچائے، لیکن پے بہ پے فتوحات توسیع مملکت، دولت

کی ریل پیل سامان و اسباب تعیش کی افزائش ان سب چیزوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم سوسائٹی ایک غیر متحرک اور سکون پذیر (STATIC And SETTLED) سوسائٹی بن گئی، اس بنا پر اس سوسائٹی کے صالح افراد کو اپنی آخرت کی فکر دامنگیر رہی لیکن دنیا کے دوسرے لوگوں کی طرف پلٹ کر نہ دیکھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین اور مبعوث الی کافتہ الناس تھے تو ان کی فوز و فلاح کی بھی فکر کرتے، قاعدہ ہے۔ کہ جب ایک انسان کسی ایک اعلیٰ مقصد کے لئے رواں دواں رہتا ہے تو اوس کی قوت عمل بیدار رہتی ہے۔ اوس کے اخلاق بلند اور اس کا کیرکٹر بے لوث اور پُر خلوص ہوتا ہے اور جب وہ کسی ایک مقام پر رہ پڑتا ہے تو اب اوس کی ہر چیز کو گھن لگنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہی حال قوموں اور جماعتوں کا ہے، چنانچہ بدقسمتی سے مسلم سوسائٹی کو یہی معاملہ پیش آیا، ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پوری زمین میرے لئے مسجد اور طہور بنائی گئی ہے مسلمان عام طور پر اس کا مطلب یہی سمجھتے رہے کہ زمین پر جہاں چاہو نماز پڑھ لو اور تیمم کر لو، لیکن اس فرمانِ نبوی کی لِم اور اس میں رمز کیا ہے؟ اوس کو برملا اور باربار بکمالِ بلاغت و قوت سے اقبال نے جس طرح بیان کیا ہے کسی نے بیان نہیں کیا۔ ارمغان حجاز میں ایک بوڑھے بلوچی کی زبان سے جو اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا ہے کہتے ہیں:

محروم رہا دولتِ دریا سے وہ غواص
کرتا نہیں صحبت ساحل سے جو کنارا

اسی کتاب میں ابلیس کی زبان سے جو اپنے مشیروں کو ہدایات دے رہا ہے کہتے ہیں:

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دین کی احتساب کائنات!

اسلام اپنی اشاعت اور توسیع میں اون تاجروں، مبلغوں اور صوفیا و مشائخ کا ممنون ہے جو شہر بشہر ایک ملک سے دوسرے ملک میں پھرتے رہتے اور مشرق و مغرب کی طنابیں کھینچتے رہتے تھے۔ لیکن ان حضرات کی یہ جد و جہد انفرادی تھی۔ مجموعی حیثیت سے امتِ اسلامیہ

نے اس فریضہ و وظیفہ حیات کو نظر انداز کردیا اور وہ سکون پذیر ہوکر بیٹھ گئی اسی حقیق
کی طرف اقبال نے ابلیس کی زبان سے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کردو مزاج خانقاہی میں اسے

پس جب اسلامی نظام زندگی اپنی پوری تب و تاب اور توانائی کے ساتھ قائم نہ رہا
نظام مملکت کہاں قائم رہتا۔ میں اس بات کا ہرگز قائل نہیں ہوں کہ اگر کسی حکومت میں
ہاتھ کاٹے جاتے یا زانی کو سنگسار کیا جاتا ہے تو آپ نے ساری دنیا میں اعلان کردیا کہ و
نظام حکومت قائم ہے درآنحالیکہ وہاں گھر گھر عیاشی کے اڈے قائم ہوں۔

یہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا مطلب اور اس سے غرض و غایت یہ ہے کہ اسلام نظ
وہیں سرسبز و شاداب ہوسکتا ہے جہاں کے افراد اسلامی نظام زندگی کے پابند اور ا
عامل ہوں اور اس کے لئے بڑی سخت قسم کی اور مسلسل جد و جہد کرنے کی ضرورت ہے۔
زمانہ میں دو جماعتیں ہیں ایک تبلیغی جماعت اور دوسری جماعت اسلامی جو میرے نزدیک ا
میں شاندار کام کررہی ہیں اور میرے دل میں ان دونوں کی خدمات کی بڑی قدر و منز
لیکن ساتھ ہی ان سے کچھ شکایت بھی ہے، تبلیغی جماعت سے شکایت یہ ہے کہ اس نے
بقول اپنی تبلیغ و دعوت کا دائرہ "تصحیح کلمہ" تک محدود رکھا ہے، گویا ایک قلعہ شا
پر ایک سنتری بیٹھا ہوا ہے جو آپ کو یہ تو بتاتا ہے کہ قلعہ میں داخل ہونے کے آداب کیا ہیں
داخل ہونے کے بعد آپ کو کیا کرنا اور کن آداب و مراسم کی رعایت کرنی ہے؟ ان میں
چیز سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جماعت نے اگر اس طرح اپنے عمل کا دائرہ محدود
تو فی نفسہ یہ بات بری یا قابل اعتراض نہیں ہے، یہ کام بھی بہت اہم اور بنیادی
نہایت سرگرمی، تندہی اور جوش و خروش سے انجام دے رہی ہے۔ لیکن مجھے ش
اب اس میں تحزب کی شان پیدا ہوتی جارہی ہے میں جماعت کا مداح اور قدردا

جماعت کے اکابر حضرت مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہما اور اب حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی سب مجھ پر غایت شفقت فرماتے رہے، جس کو میں اپنے لئے موجب سعادت ونجات اخروی سمجھتا ہوں اس لئے میں نے یہ بات نکتہ چینی کے خیال سے نہیں کہی ہے بلکہ جماعت کی خیر خواہی اور خیر اندیشی میں کہی ہے، اگر واقعی جماعت میں تحزب کا رجحان پیدا ہوا ہے جیسا کہ میں محسوس کرتا ہوں تو جماعت کے اکابر کو اس کی اصلاح کرنی چاہئے۔

اب جماعت اسلامی کو لیجئے، اس سے یہ شکایت ہے کہ اول تو اس جماعت کے ہاں تصوف کا گذر نہیں ہے اس جماعت کی تحریروں میں صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کا تذکرہ کہیں میری نظر نہیں گذرا دوسری چیز یہ ہے کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی تحریروں میں بعض اکابر اسلام کے بارے میں غیر محتاط اور نامناسب لب ولہجہ اختیار کیا ہے پھر زور قلم میں بعض اسلامی تعلیمات کی تشریح وتوضیح میں ان کا قلم جادۂ اعتدال سے منحرف ہوگیا ہے ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ پاکستان کے علما عموماً اس جماعت کے مخالف ہیں اور چونکہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت علما کے ہی زیر اثر ہے اس لئے جماعت اسلامی کے نفوذ واثر کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہے جتنا کہ تیس برس کی جدوجہد اور منظم سعی وکوشش کے بعد ہونا چاہئے تھا، پھر سب سے زیادہ جو چیز کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ جماعت اپنی طاقت وقوت کا صحیح اندازہ کئے بغیر قبل ازوقت سیاست کے خارزار میں کو پڑی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تیرہ برس کام کیا تھا۔ اس جماعت کو اسوہ نبوی کے پیش نظر سیاست سے الگ تھلگ رہکر کم از کم پچاس برس تک تو یکسوئی کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا کام کرنا چاہئے تھا۔ آپ کو معلوم ہے مصر کی الاخوان المسلمون کس قدر عظیم جماعت اور اُن کی تحریک کس درجہ موثر اور انقلاب آفرین تھی، لیکن محض سیاست میں قبل از وقت حصہ لینے کے باعث یہ جماعت ختم ہوگئی اور اس کے اعضاء ارکان پر جو قیامت گذری وہ حد درجہ المناک اور کربناک ہے۔ اس اعتبار سے تو ہندوستان کی جماعت اسلامی جواب اگرچہ ممنوع ہے۔ لیکن آخر کبھی تو آزاد ہوگی بڑی قابل ستائش اور لائق تعریف ہے، یہ سیاست سے الگ ہے، یہ ہر طبقہ او

ہر خیال کے لوگوں کو ساتھ لے کر چل رہی ہے، اس کے کارکن مخلص اور فعال ہیں اور زبان و قلم میں محتاط اور میانہ رو ہیں اب سے تین برس پہلے دہلی میں اس جماعت کی جو کل ہند کانفرنس ہوئی تھی اوس کو دیکھکر اندازہ ہوتا تھا کہ اس جماعت کا خون کس تیزی سے وہاں کے مسلمانوں اور خصوصاً نوجوانوں کے جسم میں دوڑ رہا ہے۔

آپ یقین کریں کہ میں نے پاکستان کی جماعت اسلامی پر جو یہ تنقید کی ہے دلسوزی اور اخلاص سے کی ہے، ورنہ میں اس جماعت کا قدرداں اور ثناخواں ہوں، میری دلی تمنا اور آرزو ہے کہ چھوٹی بڑی جو جماعتیں اسلام کے لئے کام کر رہی ہیں وہ اپنے اپنے دائرہ عمل میں رہکر کام کریں، لیکن اون میں باہم ربط و ضبط اور ایک دوسرے کے احترام کا جذبہ ہو، تب ہی اسلام کے بازوؤں میں انقلاب آفرینی کی طاقت پیدا ہوسکتی ہے۔

آپ نے اس پر غور کیا کہ اسلام میں چوری اور زنا کی سزائیں اس قدر سخت کیوں ہیں وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک ایسی سوسائٹی بنانا چاہتا ہے جہاں محرکات اور دواعی نہ چوری کے ہوں اور نہ زنا کے، بلکہ ان دونوں چیزوں سے اجتناب و احتراز کے ہوں۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک جرم کا ارتکاب کرلے تو واقعی اوس کو سزا اتنی ہی سخت ملنی چاہئے

پھر ذرا اس حکمت پر بھی غور کیجئے کہ چونکہ چوری کرنا انتہائی دنائت اور کمینگی کا فعل ہے اس بنا پر چوری کے ثبوت کے لئے وہی عام قانون کافی خیال کیا گیا۔ اس کے برعکس زنا کا معاملہ یہ ہے کہ ایک طرف اس کی سزا نہایت سخت اور دوسری جانب اوس کے ثبوت کے لئے شریعت نے جو شرائط مقرر کی ہیں اون کا فراہم ہونا نہایت مشکل اور دشوار! اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان انسان ہے، پھر جوانی یوں بھی دیوانی ہوتی ہے، اس لئے شریف سے شریف اور نیک انسان سے بھی بھولے بسرے اس جرم کا ارتکاب مستبعد نہیں۔ پس جو شریعت انسانی فطرت اور اس کی نفسیات کے

عاملہ میں اس درجہ دقیقہ رس ہوگیا اوس سے اعلیٰ کوئی اور دستورِ حیات ہوسکتا ہے
یکن جب تک ایسی صالح اور اعلیٰ سوسائٹی نہیں بن جاتی جس میں سرقہ اور زنا کے دواعی
ور محرکات مفقود ہوں اسلامی نظامِ حکومت قائم نہیں ہوسکتا۔

سلام کا مستقبل | آپ کے سوال کا دوسرا جزیہ ہے کہ کیا اب اسلامی نظامِ حکومت
ائم ہوسکتا ہے؟ میرا جواب یہ ہے کہ ضرور قائم ہوسکتا ہے۔ اس وقت اگر آپ دنیا کے
حالات کا مطالعہ کریں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ آج عالمِ اسلام میں جو بیداری ہے وہ دو سو برس
سے نہیں تھی، یورپ کے علوم و فنون، اوس کی تہذیب و تمدن، فلسفۂ حیات، اقتصادی
ور معاشی برتری، سیاسی استیلا، اور غلبہ، اب ان سب چیزوں کا جادو لوٹ چکا
ور یورپ کی اندھی تقلید اور کورانہ پیروی کا زمانہ گذر گیا، مسلمانوں میں خودشناسی
خوداعتمادی اور دروں بینی پیدا ہو رہی ہے اس تبدیلی میں جہاں دخل عرب اور مسلم
ممالک کی آزادی، عربوں کی دولت اسلامی اداروں کی جد و جہد اور اسلام پر ہر زبان
یں سینکڑوں، ہزاروں کتابوں، مجلات و رسائل کی اشاعت اور تبلیغی و دعوتی مساعی
کا ہے میرے نزدیک اسلام کی موجودہ نہضت میں ایک بڑا حصہ علامہ اقبال کا بھی ہے چونکہ
وہ خود اعلیٰ مغربی تعلیم یافتہ تھے اور برسوں یورپ میں رہ چکے تھے اس لئے جب انھوں نے
تہذیب و دانش افرنگ پر نہایت موثر اور ولولہ انگیز زبان میں کڑی تنقید کی اور ساتھ
ہی قرآن مجید کی اسپرٹ اور اسلام کی روح کی ترجمانی اس جوش و خروش اور خوبی و زور بلاغت
سے کی کہ جس نے اسے سنا یا پڑھ لیا اس کا دل دھڑکنے لگا اور رگوں میں خون کی گردش تیز ہوگئی
و عالمِ اسلام میں ذہنی بیداری اور جذبۂ و احساس خودی کی لہر دوڑ گئی، درحقیقت
یورپ میں عیسائیت کے احیا میں جو دخل جرمنی کے فلاسفر امونئیل کانٹ اور اوس کی کتاب
تنقید عقلِ محض" کا ہے میرے نزدیک وہی دخل اقبال اور اون کے کلام کا عالمِ اسلام کی موجودہ
نشأۃ ثانیہ میں ہے، یہ سب علامات اس بات کا قرینہ ہیں کہ وہ وقت بہت جلد آنیوالا ہے جب کہ

اسلام دنیا کی ایک عظیم الشان طاقت بن کر سر بلند و سرفراز ہوگا اور رحمتِ عالم کا فیض عام ہوگا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے جلو میں اسلامی نظامِ حکومت قائم ہوگا۔

اس کے بعد میں نے گھڑی دیکھکر کہا: معاف کیجئے وقت بہت زیادہ ہوگیا۔ مجھے ابھی ایک عزیز کے ہاں ڈنر پر ناظم آباد جانا ہے، ورنہ اگر گنجائش ہوتی تو اس موضوع پر میں ابھی ایک گھنٹا اور تقریر کرتا اور افکار و آرا کی تخریب و تعمیر کا جو فلسفہ ہے اوس کی روشنی میں ثابت کرتا کہ یورپ کے فلسفہ وجودیت اور کمیونزم و سوشلزم اور مادیت نے خود اسلام کے فروغ کے لئے راہ ہموار کی ہے، شب کی تاریکیوں کے بطن سے ہی آخر طلوعِ سحر ہوتی ہے۔

عزیز طلبا نے میرا شکریہ ادا کیا اور چلتے چلتے کہنے لگے کہ کوئی نصیحت کیجئے۔ میں نے اونکو دعائیں دیں اور کہا: میری نصیحت یہ ہے کہ

(۱) نماز کی پابندی کیجئے۔

(۲) روزانہ کم از کم ۱۵ منٹ قرآن مجید کی تلاوت ضرور کیجئے۔

(۳) اپنے ساتھ ہمیشہ انصاف کرنے کی کوشش کیجئے، آپ اپنے ساتھ انصاف کریں گے۔ تو پھر کسی کے ساتھ ناانصافی نہ کر سکیں گے۔

(۴) فرصت کے اوقات میں، اقبال کی بالِ جبرئیل اور مثنوی "پس چہ باید کرد" میں بحضور سرورِ کائنات کے عنوان سے جو نظم ہے اسے وقتاً فوقتاً گنگنا کے پڑھا کیجئے۔

باقی